22

مولوی محمد علی صاحب کی تعلّی کا جواب

(فرمودہ 18 جولائی 1941ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"رات چونکہ مجھے انتڑیوں میں درد کی شکایت رہی ہے اس لئے آج مَیں زیادہ تو بیان نہیں کر سکتا لیکن مولوی محمد علی صاحب کا جو جواب میرے ایک خطبہ کا شائع ہوا ہے اس کے ایک حصہ کے متعلق مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ باقی کا جواب میرا خیال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ایک مضمون کے ذریعہ دوں۔

آج مَیں صرف اس امر کو لیتا ہوں کہ انہوں نے اپنے جواب میں لکھا ہے کہ:۔

"میاں صاحب نے جو دلائل حضرت مسیح موعود کی نبوت کے متعلق دیئے ہیں میں ان تمام کو قارئین پیغام کے سامنے لانے کو تیار ہوں بشرطیکہ جناب میاں صاحب میرے اس جواب کو جو اصل مضمون کے متعلق مَیں اب لکھتا ہوں۔ اپنے اخبار "الفضل" میں شائع کرا دیں۔۔۔ لیکن اس کے ساتھ میں یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ جناب میاں صاحب اس تجویز کو کبھی منظور نہ کریں گے۔ اس کی وجہ؟ اپنے مخالف کے دلائل کو اپنی جماعت کے سامنے لانے سے وہی شخص ڈرتا ہے جسے یہ خوف ہو کہ اس کی جماعت مخالف کے دلائل سے متاثر ہو کر پھسل جائے گی۔ سو یہی خوف جناب میاں صاحب

کے دل میں ہے۔ مُنہ سے جناب میاں صاحب جس قدر بلند دعاوی چاہیں کریں مگر ان کا طرزِ عمل یہ بتا رہا ہے کہ ان کا دل ہمارے دلائل کی مضبوطی کے خوف سے کانپ رہا ہے۔ اور ان کے نزدیک اس کے سوائے اپنی جماعت کی حفاظت کا اور کوئی طریق نہیں کہ وہ ہمارے دلائل کو ان کے سامنے نہ آنے دیں۔"1

پیشتر اس کے کہ میں ان کی اس تجویز کا جواب دوں۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کو جو عادت صدر انجمن احمدیہ قادیان میں حکومت کرنے کی پڑ گئی تھی وہ اب تک قائم ہے۔ وہ صرف یہی سمجھتے ہیں کہ جو بات وہ کہہ دیں وہ ضرور پوری ہونی چاہئے اور اگر وہ پوری نہیں ہوتی تو دنیا میں جو دوسرے لوگ ہیں ان سب پر حجت تمام ہو گئی۔ دوسروں کی بات پر کان دھرنا یا اس کا جواب دینا ان کو بالکل بھول جاتا ہے۔ وہ آج یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ مَیں اگر ان کے اس جواب کو اپنے اخبار "الفضل" میں شائع کرا دوں تو وہ ان تمام دلائل کو جو مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے متعلق دیئے ہیں۔ "لفظ بلفظ قارئین پیغام" کے سامنے لانے کو تیار ہیں اور اپنی طرف سے یہ تجویز پیش کرنے کے بعد وہ بڑے دھڑلے کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ "جناب میاں صاحب اس تجویز کو کبھی منظور نہ کریں گے"۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ مَیں نہیں چاہتا کہ جماعت ان کے دلائل اور خیالات سے آگاہ ہو۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ ہماری جماعت ان کے دلائل سے متاثر ہو کر پھسل جائے گی لیکن اپنی طرف سے یہ تجویز پیش کرتے وقت وہ اس بات کو بھول گئے ہیں کہ آج سے ایک سال قبل یعنی 19 جولائی 1940ء کو مَیں نے ایک خطبہ پڑھا تھا جو 24 جولائی 1940ء کے "الفضل" میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں مَیں نے یہ کہا تھا کہ:۔

" صحیح عقائد وہی ہو سکتے ہیں جن کا ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے زمانہ میں علی الاعلان اظہار کیا کرتے تھے

اس زمانہ میں وہ جن عقائد کا اظہار کیا کرتے تھے مَیں ان کی تحریروں سے نکال کر ان کے سامنے رکھ دیتا ہوں اور وہ ان کے نیچے لکھ دیں کہ آج بھی میرا یہی عقیدہ ہے اور وہ میری اس زمانہ کی تحریروں سے میرے عقائد نکال دیں اور مَیں لکھ دوں گا کہ آج بھی میرے عقائد یہی ہیں۔ہم دونوں مُنہ سے یہی کہتے ہیں کہ ہمارے عقائد آج بھی وہی ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں تھے۔ پس اس طرح اس زمانہ کی تحریرات سے ہم ایک دوسرے کے عقائد نکال کر پیش کر دیں اور دونوں اپنے اپنے عقائد کے نیچے لکھ دیں کہ آج بھی ہمارے عقائد یہی ہیں اور پھر دونوں کے عقائد کتاب کی صورت میں شائع کر دیئے جائیں اور ساتھ ہی دونوں کی یہ تحریریں بھی چھپ جائیں کہ ہمارے عقائد آج بھی یہی ہیں ۔۔۔ چونکہ ممکن ہے کہ کسی کی تحریر کا کوئی اقتباس ناقص ہو اس لئے ہر فریق کو حق ہو گا کہ وہ مطالبہ کرے کہ میری تحریر کا اقتباس ناقص ہے۔ فلاں حصہ اس کے ساتھ شامل کیا جائے یا فلاں دوسری جگہ پر میرے اس کلام کی شرح موجود ہے اسے شامل کیا جائے۔ اس کا یہ مطالبہ پورا کیا جائے گا (ان تشریحی عبارتوں کے لئے بھی یہ شرط ہو گی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی شائع شدہ ہوں۔ اس طرح کسی پر ظلم نہ ہو گا۔ ان کو حق ہو گا کہ ان کی کسی تحریر کا حل اگر کسی دوسری جگہ موجود ہو تو اس کے ساتھ شامل کرنے کا وہ مطالبہ کریں اور اسی طرح میری کسی تحریر کا حل اگر دوسری جگہ ہو تو میرا حق ہو گا کہ اس کے ساتھ شامل کرنے کا مَیں مطالبہ کروں اور یہ حل بھی ساتھ شامل کر لئے جائیں)۔"

جہاں انہوں نے آج یہ تجویز پیش کی ہے وہاں میری یہ تجویز ایک سال پہلے کی تھی۔ مگر مولوی صاحب نے اس کو اب تک منظور نہیں کیا اور اپنی طرف سے ایک نئی تجویز پیش کر دی ہے۔ اگر وہ میری تجویز کو منظور کر لیتے تو چونکہ یہ دونوں کی تحریرات کے مجموعہ کی اشاعت کا خرچ دونوں کو آدھا آدھا دینا تھا اس لئے فائدہ انہی کو رہتا۔ ان کی ایسی تحریرات میری نسبت بہت زیادہ ہوتیں۔ مَیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں صرف سال ڈیڑھ سال تک ایک سہ ماہی رسالہ کا ایڈیٹر رہا ہوں۔ اور وہ سالہا سال تک ایک ماہوار رسالہ کے ایڈیٹر رہے ہیں اور اس لئے میری ایک صفحہ کی تحریرات کے مقابلہ میں ان کی تحریرات بیسیوں صفحات کی ہوں گی جنہیں گویا ہم اپنے خرچ پر شائع کرتے۔ کیونکہ میری ایک صفحہ کی تحریرات کے ساتھ ان کی بیس صفحات کی تحریرات شائع ہو جاتیں مگر انہوں نے اس تجویز کو نہ مانا۔ آج وہ کہتے ہیں کہ مَیں ان کا مضمون "الفضل" میں شائع نہیں کراؤں گا۔ کیونکہ مَیں ڈرتا ہوں کہ جماعت کے لوگ ان کی تحریرات سے متاثر نہ ہو جائیں۔ حالانکہ اس میں ڈرنے کی کوئی بات ہی نہیں۔ اگر مَیں ڈرتا ہوتا تو خود اپنی طرف سے ان کی تحریرات کو شائع کرنے کی تجویز کیوں پیش کرتا اور اگر وہ ایسے ہی نڈر ہیں تو انہوں نے میری تجویز کو منظور کیوں نہ کیا۔ اس میں ان کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑتی کہ میرے اُس زمانہ کے عقائد نکال دیتے اور مَیں ان کے عقائد کے متعلق اس زمانہ کے حوالے نکال دیتا۔ ان کی تحریرات چونکہ زیادہ تھیں اس لئے مجھے ان سے زیادہ تکلیف کرنی پڑتی۔ بلکہ ہم دونوں کو اتنی بھی تکلیف کی ضرورت نہ تھی۔ وہ میرے حوالے نکالنے کے لئے اپنے کسی مبلّغ کو مقرر کر دیتے اور اسی طرح ان کے حوالے نکالنے کے لئے مَیں بھی اپنا کوئی مبلّغ مقرر کر دیتا اور اس کے بعد ان کو صرف اتنا کرنا تھا کہ وہ ان تحریرات کے نیچے لکھ دیتے کہ آج بھی میرے عقائد یہی ہیں اور مَیں بھی ان کے تلاش کردہ حوالوں کے نیچے لکھ دیتا کہ آج بھی میرے یہی عقائد ہیں۔ پھر یہ تحریریں شائع کرنے پر جو خرچ آتا تھا وہ دونوں کو نصف نصف ادا

کرنا تھا اور اس میں بھی ان کا ہی فائدہ تھا۔ جیسا کہ مَیں کہہ چکا ہوں ان کی تحریرات میری نسبت بہت زیادہ ہیں فرض کرو کل 25 صفحات ہوں تو میری تحریرات تو صرف ایک دو صفحات کی ہوں گی اور باقی سب ان کی۔ گویا میری تحریرات کی نسبت ان کی دس گنا زیادہ ہیں اور حوالوں کی نسبت سے اگر خرچ تقسیم کیا جائے تو ان کی تحریرات پر ہمارا خرچ بہت زیادہ ہوتا۔ کل خرچ اگر ایک ہزار روپیہ فرض کر لیا جائے تو پانچ پانچ سو دونوں کے حصہ میں آتا۔ لیکن 25 صفحات میں سے میری تحریرات صرف دو صفحہ کی اور ان کی 23 صفحات کی ہوتیں۔ اور اس طرح انہیں تو اپنی 23 صفحات کی تحریروں کی اشاعت کے لئے پانچ سو روپیہ دینا پڑتا اور ہمیں دو صفحات کی تحریرات کے لئے۔ گویا ہمارے پانچ سو روپیہ میں سے زیادہ سے زیادہ پچاس روپے تو میری تحریرات کی اشاعت پر خرچ آتے اور باقی ساڑھے چار سو ان کی تحریروں کی اشاعت پر۔ اور ان کا روپیہ کا بہت زیادہ حصہ ان کی اپنی تحریروں کی اشاعت پر خرچ ہوتا۔ غرض مَیں جو پانچ سو روپیہ دیتا اس میں سے بھی ساڑھے چار سو ان کی تحریروں کی اشاعت کا خرچ ہوتا اور ان کا اپنا روپیہ بھی انہی کی تحریروں پر خرچ ہوتا۔ اس سے زیادہ انصاف کی بات کیا ہو سکتی تھی کہ ہم ان کی تحریروں کی اشاعت کے لئے روپیہ اپنے پاس سے دیں اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ وہ جو پانچ سو روپیہ دیتے اس میں سے بھی پچاس روپے میری تحریروں کی اشاعت پر خرچ ہوتے تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ ان کا اپنا بھی ساڑھے چار سو روپیہ ان کی تحریروں کی اشاعت کا خرچ ہوتا اور مَیں جو پانچ سو روپیہ دیتا اس میں سے بھی ساڑھے چار سو انہی کی تحریرات کی اشاعت میں خرچ ہوتا اور اس طرح یہ تجویز سراسر ان کے فائدہ کی تھی۔

پھر اس لحاظ سے بھی یہ تجویز ان کے لئے مفید تھی کہ ان کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک کی تحریریں شائع ہو جاتیں۔ وہ تحریریں جنہیں خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام پڑھتے تھے یہ ایسے مبارک ایام کی تحریریں ہیں جنہیں

وہ خود بھی مبارک مانتے ہیں اور ان کا خیال یہی ہے کہ وہ زمانہ بہت اچھا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود ان تحریروں کو پڑھتے اور ان کی نگرانی کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول گو اس زمانہ میں خلیفہ نہ تھے مگر ان تحریروں کو آپ بھی پڑھتے تھے او رنگرانی کرتے تھے۔ مولوی عبد الکریم صاحب بھی زندہ تھے۔ آپ کی وفات 1905ء میں ہوئی ہے۔ اور رسالہ ریویو 1902ء میں جاری ہوا ہے اس لئے ایک عرصہ تک آپ کی نظر سے بھی وہ تحریریں گزرتی رہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور وہ بزرگ جن کی تعریف حضور علیہ السلام نے کی ہے سب اس زمانہ میں زندہ تھے۔ ان کی نگرانی میں وہ ایام گزرے ہیں۔ اس زمانہ میں مولوی محمد علی صاحب جو کچھ لکھتے رہے ہیں ان کے متعلق ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق تھا۔ خود خدا تعالیٰ نے اس کے متعلق گواہی دی ہے۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے کہ "آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ"۔2 اور اس الہام کے خواہ کچھ بھی معنی کئے جائیں۔ بہرحال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ زمانہ مولوی محمد علی صاحب کے لئے بھی اچھا او رمبارک زمانہ تھا اور بعد کا دونوں فریق میں مختلف فیہ ہے اور پھر میرا بھی وہ زمانہ اچھا تھا اور خود مولوی محمد علی صاحب کی شہادت اس کے متعلق موجود ہے۔ چنانچہ میرے ایک مضمون پر انہوں نے لکھا تھا کہ:۔

"اس رسالہ کے ایڈیٹر مرزا بشیر الدین محمود احمد حضرت اقدس کے صاحبزادے ہیں اور پہلے نمبر میں چودہ صفحوں کا ایک انٹروڈکشن ان کی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ جماعت تو اس مضمون کو پڑھے گی مگر مَیں اس مضمون کو مخالفین سلسلہ کے سامنے بطورایک بیّن دلیل کے پیش کرتاہوں جو اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ ہے۔ وہ سیاہ دل لوگ جو حضرت مرزا صاحب کو مفتری کہتے ہیں اس بات کا جواب دیں کہ اگر یہ افتراء ہے تو یہ سچا جوش اس بچہ کے دل میں کہاں سے آیا۔

غور کرو جس کی تعلیم و تربیت کا یہ پھل ہے وہ کاذب ہو سکتا ہے۔
اگر وہ کاذب ہے تو پھر صادق کا دنیا میں کیا نشان ہے۔" 3

گویا وہ میرے اس زمانہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا معیار قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا ایسے پاکیزہ مطالب بیان کرنا ثبوت ہے اس بات کا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سچے ہیں اوراس کے یہ معنی ہیں کہ وہ مانتے ہیں کہ میرا وہ زمانہ اچھا تھا اور خیالات پاکیزہ تھے۔ پس ایسے مبارک زمانہ کی تحریروں کا شائع ہونا ایسا عمدہ کام تھا کہ جو کئی لوگوں کی ہدایت کا موجب بن جاتا مگر افسوس کہ مولوی صاحب نے میری تجویز کو نہ مانا اور اسے رد کر دیا۔ لیکن دوسری طرف وہ اپنی ایک تجویز پیش کر کے بڑی تعلّی سے کہتے ہیں کہ مَیں اسے کبھی نہیں مانوں گا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ ان کے خیالات ہماری جماعت کے دوستوں تک پہنچیں۔ حالانکہ جیسا کہ مَیں بتاچکا ہوں مَیں نے خود یہ تجویز پیش کی تھی اور ان کے خیالات کی اشاعت پر قریباً پانچ سو روپیہ اپنے پاس سے خرچ کرنے کو تیار تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ روپیہ خرچ کر کے جو کتاب چھپتی اسے ہم کہاں لے جاتے۔ آخر جماعت کے دوستوں کے پاس ہی وہ فروخت ہوتی یا بانٹ دی جاتی بلکہ ہم تو پہلے بھی اپنے پاس سے روپیہ خرچ کرکے ان کے خیالات کی اشاعت کرتے رہے ہیں۔

مولوی محمد اسماعیل صاحب مرحوم نے جو رسالہ تبدیلیٔ عقیدہ مولوی محمد علی صاحب شائع کیا ہے اس میں ساری کی ساری عبارتیں انہی کی ہیں۔ تو ان کے خیالات پھیلنے میں مَیں کبھی روک نہیں ہوا بلکہ مَیں نے ہمیشہ ان کے خیالات جماعت تک پہنچائے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ ان کے مضمون کو "الفضل" میں شائع کرا دینے کی تجویز کو مَیں نہیں مانوں گا کیونکہ مَیں نہیں چاہتا کہ ان کے خیالات جماعت تک پہنچیں۔

ان کے اس خیال کے غلط ہونے کی ایک دوسری مثال قریب کے زمانہ کی ہے۔ مولوی ابو العطاء صاحب نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ:۔

"سورہ کہف کی تفسیر جناب مولوی محمد علی صاحب نے بیان القرآن میں اور حضرت (خلیفۃ المسیح) نے تفسیر کبیر میں شائع فرمائی ہے۔ اگر غیر مبائعین تیار ہوں تو دونوں تفسیروں کو مشترکہ خرچ پر اکٹھا شائع کر دیا جائے تا پڑھنے والے اندازہ لگا سکیں کہ کسے تائید الٰہی حاصل ہے اور کون اس سے محروم ہے"۔4

اس سے بھی ان کے خیالات کی اشاعت ہوتی مگر انہوں نے اسے بھی نہ مانا۔ گو یہ میری تجویز نہ تھی مگر ایک احمدی کی تھی جسے باوجود علم ہو جانے کے مَیں نے رد نہیں کیا۔ اور اسے رد نہ کرنے کے معنے یہ ہیں کہ مَیں نے اسے برا نہیں سمجھا۔ میرے نزدیک یہ پسندیدہ نہ سہی مگر میرے سامنے آئی اور میں نے اسے رد نہ کیا جس کے معنے یہ ہیں کہ مَیں نے اسے ایسا برا نہیں سمجھا مگر اسے بھی مولوی صاحب نے نہ مانا اور اس کا جواب یہ دیا کہ:۔

"مامور اگر کسی کو مقابلہ کے لئے بلاتا ہے تو وہ خدا کے حکم سے ایسا کرتا ہے لیکن ایک غیر مامور کا وہی طریق اختیار کرنا دین کو بچوں کا کھیل بنانا ہے"۔5

حالانکہ اگر اس تجویز کو مان لیا جاتا اور دونوں تفسیروں کو اکٹھا شائع کیا جاتا تو اشاعت پر آدھا خرچ ہمارا بھی ہوتا اور اس طرح اپنے پاس سے روپیہ خرچ کر کے ہم ان کے خیالات کی اشاعت کرنے والے بنتے۔ تو ہماری طرف سے دو تجاویز پیش کی گئیں جن میں ان کے خیالات کی اشاعت کا موقع تھا اور ہم اس کے لئے نصف خرچ بھی دینے کو تیار تھے۔ پہلی تجویز کو مان لینے کی صورت میں نبوت کے متعلق ان کے خیالات پھیلتے اور دوسری کو ماننے کی صورت میں قرآن کریم کے جو علوم انہوں نے بیان کئے ہیں ان کی اشاعت ہوتی۔ مگر مولوی صاحب نے دونوں کو ردّ کر دیا اور اپنی طرف سے ایک تجویز پیش کر کے اس پر اتنا زور دیا کہ لکھ دیا مَیں اسے نہیں مانوں گا کیونکہ مَیں نہیں چاہتا کہ ان کے خیالات کی اشاعت ہماری جماعت میں ہو۔ حالانکہ مَیں نے کبھی مخالف کے خیالات کی اشاعت میں روک پیدا نہیں کی۔

جو لوگ میرے خطبات سنتے ہیں وہ اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں اور دوسرے لوگ بھی جو میرے خطبات کو پڑھتے ہیں یہ جانتے ہیں کہ میں نے کبھی مخالف کے خیالات کی جماعت میں اشاعت میں روک پیدا نہیں کی۔

ابھی ڈیڑھ دو سال کی ہی بات ہے کہ جماعت کے بعض دوستوں نے مجھ سے کہا کہ بعض احمدی مصری صاحب کی کتابیں پڑھتے ہیں۔ ان کو روکا جائے مگر مَیں نے جواب دیا کہ روکنے کی کوئی بات نہیں۔ جو پڑھنا چاہے بے شک پڑھے بلکہ اگر انہیں نہ پڑھا جائے تو ہمارے عقائد کی فضیلت ان پر کس طرح ظاہر ہو۔ یہ بات مَیں نے اسی مسجد میں اور اسی منبر پر کہی تھی۔ مَیں نے تو ان لوگوں کو ملامت کی جو چاہتے تھے کہ مصری صاحب کی کتابیں پڑھنے سے جماعت کے دوستوں کو روک دیا جائے مگر ان سب باتوں کی موجودگی میں مولوی محمد علی صاحب کا یہ کہنا کہ مَیں ان کے خیالات کی اشاعت جماعت میں نہیں چاہتا بالکل خلاف واقعہ بات ہے۔ مَیں نے اپنی خلافت کے زمانہ سے لے کر آج تک کبھی بھی جماعت کو مخالفوں کے خیالات پڑھنے سے نہیں روکا۔ ہاں فتنہ کی مجالس میں جانے سے ضرور روکا ہے اور اس سے قرآن کریم نے بھی روکا ہے اور کہا ہے کہ جہاں فتنہ کا احتمال ہو اور دین سے استہزاء ہو رہا ہو وہاں نہ جاؤ۔ 6 پس جس بات سے قرآن کریم نے روکا ہے اس سے مَیں بھی روکتا ہوں اور جس سے قرآن کریم نے نہیں روکا اس سے میں نے کبھی نہیں روکا اور اگر مخالف کے خیالات معلوم نہ ہوں تو تبلیغ کیسے کی جا سکتی ہے۔ گزشتہ پچیس سال کے عرصہ میں "الفضل" اور "فاروق" میں سینکڑوں دوستوں نے غیر مبائعین کے متعلق مضامین لکھے ہیں۔ میرا خیال ہے ایسے لوگوں کی تعداد تین چار سَو ہو گی۔ اگر وہ ان کے خیالات نہیں پڑھتے تو کیا مولوی محمد علی صاحب یا ان کے رفقاء کے خیالات کی تردید بغیر پڑھنے کے ہی کرتے ہیں اور اپنے پاس سے حوالے بنا کر ان کے متعلق مضامین لکھ دیتے ہیں؟

پس اس بات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ ہم ان کے خیالات پڑھنے سے

جماعت کو روکتے ہیں کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ مضمون لکھنے والے متفرق مقامات کے رہنے والے ہیں۔ لاہور اور ملک کے دوسرے شہروں کے ہیں۔ صرف قادیان کے ہی نہیں کہ کہا جا سکے علماء کو خاص طور پر پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ مختلف جگہوں کے رہنے والے ہیں۔ اس لئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب علماء کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ ابھی ایک بچہ ان کے رد میں مضامین لکھ رہا ہے جس کا نام خورشید احمد☆ ہے اور اس وقت لاہور میں رہتا ہے۔ اس کے مضمون ایسے اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں کہ پہلے میں سمجھتا تھا کہ یہ کوئی بڑی عمر کا آدمی ہے مگر بعد میں معلوم ہوا ہے کہ خان صاحب مولوی فرزند علی خان صاحب کا نواسہ ہے۔ اور 17، 18 سال عمر ہے۔ وہ ان لوگوں کی کتابیں اور اخبار پڑھتا ہی ہے تو ان کا ردّ لکھتا ہے ورنہ کیسے لکھ سکتا؟ اور ہم نے اسے ان کے پڑھنے سے کبھی نہیں روکا اور کبھی نہیں کہا کہ تم ابھی بچے ہو ان کی کتابیں نہ پڑھا کرو ایسا نہ ہو ابتلاء آ جائے۔ اور نہ ہی کسی اور کو روکتے ہیں۔ مولوی صاحب کو یونہی یہ وہم ہے۔

مولوی محمد علی صاحب کی عادت ہے کہ خود تو کسی کی بات کو نہیں مانتے اور جو بات وہ خود پیش کریں اسے اگر کوئی نہ مانے تو اسے مجرم قرار دیتے ہیں۔

پس ان کی تجویز کے جواب میں سب سے پہلی بات تو مَیں یہ کہتا ہوں کہ پہلے وہ ان دونوں تجاویز کو تو مانیں جو ہماری طرف سے پہلے پیش ہو چکی ہیں۔ ان کی تجویز کا منشاء یہی ہے اور یہی سوال انہوں نے اٹھایا ہے کہ ان کے اور ہمارے عقائد اور دلائل اکٹھے لوگوں تک پہنچیں اور سب سے پہلے مَیں نے جو تجویز پیش کی تھی اس میں بھی یہی سوال تھا کہ ان کے مضامین ان کے الفاظ میں اور میرے مضامین میرے الفاظ میں لوگوں تک پہنچیں اور جب دونوں تجاویز کا مقصد وہی ہے تو اس کا کیا مطلب کہ وہ تو ہماری تجویز کو ردّ کر دیں اور ہم ان کی مانیں۔ اس بات کا مطلب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ جو کچھ وہ کہیں وہی

☆ شیخ خورشید احمد صاحب نائب ایڈیٹر الفضل مراد ہیں۔

مانا جائے۔ پہلی دو تجویزیں ہماری طرف سے ہیں اور تیسری ان کی طرف سے ہے اور مَیں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ جس دن وہ میری پہلی تجویز کو مان لیں گے یعنی یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے زمانہ میں ان کے عقائد کے متعلق ان کی تحریرات ہم جمع کر کے دے دیں۔ تو وہ نیچے لکھ دیں کہ آج بھی میرے عقائد یہی ہیں۔ ان کو اجازت ہو گی کہ اگر اُسی زمانہ کی تحریروں میں سے کوئی تشریح بھی ساتھ پیش کرنا چاہیں تو نیچے نوٹ دے دیں کہ مَیں نے عبارت کی تشریح فلاں جگہ کر دی ہے۔ اسی طرح اُس زمانہ میں میرے عقائد کے متعلق وہ میری تحریرات جمع کر دیں اور مَیں ان کے نیچے لکھ دوں گا کہ آج بھی میرے عقائد یہی ہیں اور مجھے بھی اجازت ہو گی کہ اگر میں اُس زمانہ کی شائع شدہ کوئی تشریحی عبارت ساتھ پیش کرنا چاہوں تو اس کے متعلق نوٹ دے دوں۔ اور پھر یہ دونوں تحریریں نصف نصف خرچ ادا کر کے اکٹھی شائع کر دی جائیں اس سے دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے زمانہ میں ہمارے خیالات کیا تھے اور ان کے کیا۔ اور کہ کس نے اپنے خیالات اور عقائد میں اب تبدیلی کر لی ہے۔ وہ اگر میری اس تجویز کو مان لیں تو مجھے بھی ان کی تجویز کو ماننے میں عذر نہ ہو گا۔ لیکن اگر وہ میری تجویز کو نہیں مانتے تو ان کو کیا حق ہے کہ مجھ پر یہ الزام لگائیں کہ مَیں نہیں چاہتا ان کے خیالات جماعت کے دوستوں تک پہنچیں۔ کیا عجیب بات ہے کہ مَیں تو اگر پہلے ایک تجویز پیش کروں اور وہ اسے نہ مانیں تو اس میں کوئی الزام کی بات نہیں لیکن اگر وہ کوئی تجویز پیش کریں اور مَیں اسے نہ مانوں تو وہ کہیں کہ مَیں ان کے خیالات کی اشاعت کو روکنا چاہتا ہوں اور لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہوں۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود مَیں ان کی پیش کردہ تجویز کو بھی ماننے کے لئے تیار ہوں لیکن عام قاعدہ یہ ہے کہ جو پہلی تقریر کرے اسے آخری تقریر کا موقع دیا جاتا ہے یعنی اسے جواب الجواب کا حق ہوتا ہے کیونکہ جو پہلے تقریر کرتا ہے وہ تو عام دلائل دے دیتا ہے مگر اس کا جواب دینے والا

کئی نئی باتیں بیان کر دیتاہے اور ان کا جواب ضروری ہوتاہے۔اس لئے قاعدہ یہ ہے کہ جو پہلی تقریر کرے اسے آخری تقریر کا بھی حق ہوتا ہے۔پس مَیں ان کے مضمون کو "الفضل" میں شائع کرانے کو تیار ہوں بشرطیکہ وہ میرا جواب الجواب بھی "پیغامِ صلح" میں شائع کرائیں۔یا اگر وہ پسند کریں تو یہ سب یعنی میرا خطبہ، ان کا جواب اور میرا جوابُ الجواب کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے۔جس پر خرچ دونوں کا آدھا آدھا ہو اور کتابیں بھی آدھی آدھی لے لیں۔اس سے بھی بڑھ کر مَیں ان کے لئے ایک اور آسانی کر دیتا ہوں۔پہلے تو مَیں نے کہا تھا کہ وہ اگر میری اس تجویز کو مانیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی دونوں کی تحریریں اکٹھی شائع کر دی جائیں تو مَیں ان کی اس تجویز کو مان لوں گا مگر ان پر اتمامِ حجت کے لئے مَیں یہ بھی مان لیتا ہوں کہ چلو مَیں اس کو بھی چھوڑ دیتاہوں بشرطیکہ وہ میری اس تجویز کو مان لیں یعنی میرا جوابُ الجواب بھی ساتھ شائع ہو تو گو ہمارا ان سے یہ مطالبہ تو رہے گا کہ ان کو کیا حق ہے کہ ہم جو کہیں اسے تو وہ نہ مانیں اور خود جو بات کہیں اس کا ماننا ہمارے لئے ضروری ہو۔مگر ان کی اس تجویز کو ماننے کے لئے مَیں پہلے اپنی پہلی تجویز منوانے پر اصرار نہ کروں گا بلکہ ایک اور بھی آسانی ان کے لئے پیدا کر دیتاہوں اور وہ یہ کہ اگر وہ میرا جوابُ الجواب شائع کرنے پر تیار ہوں تو خرچ کے دو حصے ہم دے دیں گے اور صرف ایک حصہ وہ دیں اور دو حصے کتب ہم لے لیں اور ایک حصہ وہ۔اور میری طرف سے اتنی رعایتوں کے باوجود اگر وہ میری بات کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں تو ہم سوائے اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں سچ کو سچ سمجھنے کی توفیق دے۔اوران کاوہ غصہ دور ہو جو ان کے لئے صداقت کے سمجھنے میں روک ہو رہا ہے۔مَیں امید کرتا ہوں کہ مولوی صاحب تحمل کے ساتھ غور کریں گے اور ان تجاویز پر عمل کر کے لوگوں کے لئے صداقت کے معلوم کرنے میں آسانی پیدا کریں گے۔

مَیں اپنی تجاویز کا خلاصہ پھر ایک دفعہ پیش کر دیتا ہوں۔پہلی تجویز تو وہی ہے

جو مَیں 18 جولائی 1940ء کے خطبہ جمعہ میں پیش کر چکا ہوں۔یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے زمانہ کی تحریرات سے مَیں ان کے عقائد نکال دوں اور اسی زمانہ کی میری تحریرات سے وہ میرے عقائد نکال دیں اور ان کو اکٹھا شائع کر دیا جائے۔ اگر وہ اسے منظور کر لیں تو ان کو حق ہو گا کہ اپنی پیش کردہ تجویز کے ماننے کا مجھ سے مطالبہ کریں۔اور مَیں اسے مان لوں گا۔دوسری بات مَیں نے یہ کہی ہے کہ اگر وہ میری اس تجویز کو نہ بھی مانیں تب بھی مَیں ان کی تجویز کو مان لیتا ہوں مگر ضروری شرط یہ ہو گی کہ وہ میرا جوابُ الْجواب بھی ساتھ شائع کرنا منظور کر لیں۔ اگر بصورت کتاب شائع کرنا ان کو پسند ہو تو خرچ کے دو حصے ہم دیں گے اور ایک وہ دے دیں اسی طرح دو حصے کتابیں ہم لے لیں گے اور ایک حصہ وہ لیں گے۔ان کتابوں کو خواہ فروخت کر دیا جائے یا بانٹ دیاجائے جس طرح کسی کی مرضی ہو کرے۔ان کے مضمون کے باقی حصہ کا جواب مَیں اِنْشَاءَاللّٰہُ پھر دوں گالیکن جیسا کہ مَیں بتا چکا ہوں۔ان کو یہ غلط فہمی ہے کہ مَیں ان کے خیالات اپنی جماعت تک پہنچنے میں روک بنتا ہوں۔شاید وہ میرے خطبات پڑھتے ہی نہیں یا اگر پڑھتے ہیں تو بھول جاتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مَیں نے اس سے کسی کو کبھی نہیں روکا۔ جماعت کے سینکڑوں لوگ ان کی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔خود میری لائبریری میں یہ کتابیں ہیں اور لوگ پڑھنے کے لئے لے جاتے ہیں اور مَیں نے کبھی کسی کو منع نہیں کیا کہ یہ کتابیں نہ پڑھو۔ہماری دوسری لائبریریوں میں بھی ان کی کتابیں ہیں اور انہیں بھی لوگ پڑھتے ہیں۔لیکن اگر ان کا یہ وہم کسی طرح بھی دور نہیں ہوتا تو مَیں اس کے لئے بھی تیار ہوں کہ وہ قادیان میں آ جائیں۔مَیں یہاں ان کے تین لیکچر اپنی جماعت میں کرا دوں گا اور ان لیکچروں میں وہ دل کھول کر اپنے عقائد اور دلائل بیان کر لیں اور اس بات کی تسلی کر لیں کہ ان کے خیالات اچھی طرح ہماری جماعت تک پہنچ گئے ہیں اور اگر وہ کسی طرح بھی ماننے کو تیار نہ ہوں اور اپنی ہی بات دُہراتے چلے جائیں تو اس کا علاج میرے پاس کوئی نہیں۔اس کا علاج

خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔" (الفضل 26 جولائی 1941ء)

---

1 پیغام صلح 12 جولائی 1941ء

2 تذکرہ صفحہ 518۔ایڈیشن چہارم

3 ریویو اردو بابت مارچ 1906ء

4 الفضل 18 جون 1941ء

5 پیغامِ صلح 30 جون 1941ء

6 وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (الانعام:69)